اردو میں Light Essay کی روایت: مبادیات و مباحث

(Stylistic Analysis of "Naqsh-e-Faryadi")

•عمران خان، اسکالر، شعبہ اردو جامعہ پشاور
•پروفیسر ڈاکٹر سلمان علی، شعبہ اردو جامعہ پشاور

ABSTRACT

This paper explores the development of Insha'iyah as a genre in Urdu Literature. Insha'iyah (Light Essay) the origin of which is controversial among critics and the literary artists. Researchers have tried to trace its origin to Mulla Wajhi's work "Sub Ras" while Dr. Waheed Qureshi has gone to the extent of tracing its origin to Adam A.S. Sir Syed Ahmad Khan and Niaz Fateh Pori's name have also coutend among prationers of the genre. Some researchers have foud traces of Inshaiyah in the works of Abdul Haleem Sharar, Sajjad Ansari, Mehdi Afadi, Mir Nasir Ali, Khwaja Hassan Nizami, Rashid Ahmad Siddiqi, Abul Kalam Azad, Patras Bukhari, Falak Feema, Kirshan Chandar and Kanhia Lal Kapoor, and even the letters of Ghalib. Hewever, in Urdu literature Inshaiyah proper is associated with Dr. Wazir Agha, despite the fact that critics and literary figures have disputed the principles laid down by him. Despite differences, Inshaiyah as a distinct genre can rightly be said to have been introduced and poplarized by Dr. Wazir Agha.

اردو میں Light Essay جس کا اردو نام انشائیہ ہے، اس آغاز کب سے ہوا ہے؟ اردو ادب میں پہلا انشائیہ کس نے لکھا ہے؟ یہ دو وہ بنیادی سوالات ہیں جن پر اب تک ناقدین و محققین ادب کوئی حتمی رائے نہ دے سکے۔ اردو ادب اور بالخصوص انشائیہ کے محققین ڈاکٹر رفیعہ شبنم عابدیؔ اور جاوید وششٹؔ دونوں نے اپنی تحقیقات میں ملا وجہی کی نثری کاوش "سب رس" کو انشائیہ کے ابتدائی نقوش کا نمونہ قرار دیا، اور اس کی بنیاد پر دونوں محققین ملا وجہی کو اردو انشائیہ کا بانی قرار دیتے ہیں۔ اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ "سب رس" تک کے زمانے میں کوئی ایسی نثری کتاب نہیں ملتی

•عمران خان، اسکالر، شعبہ اردو، اسلامیہ کالج، پشاور
•پروفیسر ڈاکٹر سلمان علی، صدر شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی

ماسوائے چند رسائل کے جن میں اخلاقیات اور نصائح ہیں، جو میں ادبی تخلیقی انداز میں لکھی گئی ہو۔ اس کتاب میں قصہ حسن و دل سے زیادہ اس کے اسلوب بیان کو اہمیت حاصل ہے۔ بیان کی تازگی کے ساتھ ادبیت اور تخلیقی پن کے لحاظ سے اس کو انفرادیت حاصل ہے۔ اس بنیاد پر ناقدین اور محققین نے ''سب رس'' میں انشائیہ کے خدو خال کھوجنے کی کوشش کی۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ فرانسیسی ادیب مونتین نے عالمی سطح پر عالمی ادب میں Essay یعنی انشائیہ سب سے پہلے متعارف کیا۔ انھوں نے اپنی تخلیقی نثرپاروں کو فرانسیسی نام Essai دیا، جو عربی لفظ السعی سے ماخوذ ہے۔ Essai دراصل عربی لفظ السعی کی فرانسیسی صورت ہے۔ عربی زبان وادب کے زیر اثر فرانسیسی ادیب مونتین نے اپنی تحریروں کو Essai نام دیا جو فرانسیسی زبان میں تخلیق کیے گئے تھے۔ عربی زبان میں انشائیہ کے نقوش موجود تھے، اور اس کے اثرات فارسی زبان وادب پر بھی پڑے۔ ڈاکٹر رفیعہ شبنم عابدیؔ کے بقول:

> ''مونتین کی شعوری کوشش سے انشائیہ فرانسیسی ادب میں داخل ہوا۔۔ مونتین کے ان انشائیوں کا فرانسیسی زبان سے انگریزی میں ترجمہ ہوا۔ مونتین کی وفات کے سترہ ۱۷ سال بعد انگریزی ادیب بیکن نے اسی انداز میں انشایئے تخلیق کیے۔ مونتین سے بہت عرصہ پہلے عربی زبان میں انشائیہ کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ عربی میں 'خطبات نہج البلاغہ' حضرت علیؓ کے انشائیوں کا بہترین نمونہ ہے۔ عرب فطری لحاظ سے تخلیقی نثر نگاری میں ید طولی رکھتے تھے۔ عربی خطوط اور دیگر تحریروں میں جو بیان کی رنگینی اور تازگی اور فصیح و بلیغ انداز ہے وہ انشائیہ ہی کے اوصاف ہیں۔ عربی ادب میں ایسی تحریروں کی بہتات ہے جو انشائیہ کے قریب تر ہیں۔ عربوں نے جب ایران فتح کیا عربی زبان وادب پر فارسی زبان وادب کا اثر ضرور پڑا۔ عربی زبان وادب میں اس وجہ سے انشائیہ کو بھی فروغ ملا۔ ادباء حافظؔ اور بدیع الزّمان ہمدانیؔ اس طرح ابن المقفع اور عبدالحمید بن یحیٰ کے ہاں بھی انشائیہ کی صورت ملتی ہے۔ قدیم فارسی ادب میں نقوشِ انشائیہ نہیں ملتے۔ اس میں علمی تحریریں، فلسفیانہ مضامین، علومِ منطق، وعظ و نصائح، اخلاقی و مذہبی حکایات پائے جاتے ہیں۔ یہاں قدیم فارسی میں بھی بعض مصنفین کی تحریروں میں انشائیہ کے اوصاف نظر آتے ہیں مثلاً: مقامات حمیدی جو قاضی حمید الدین کی تصنیف ہے اور قابوس نامہ جو کیکاؤس کی ہے۔ علاوہ ازیں چند رسائل، بعض مقامات اور ادیبوں کے مقالوں میں بھی انشائیہ کے اوصاف موجود ہیں۔ جدید فارسی میں ادبا نے اس طرزِ تحریر پر بھرپور توجہ دی۔ انشائیہ نگاری اعلیٰ تخلیقات سامنے آئیں۔ قدیم سنسکرت زبان کے نثری نمونوں میں بھی انشائیہ کے نقوش ملتے ہیں۔''(۱)

عربی ادب میں انشائیہ کے نقوش ملنے کے بعد عالمی ادب میں بطور انشائیہ نگار مونتین کی حیثیت ثانوی رہ جاتی ہے۔ مونتین سے پہلے عربی ادب میں لفظ ''السعی'' کے ذیل میں یا سنسکرت کے قدیم نثری نمونوں میں انشایئے کے ابتدائی نقوش تو ملتے ہیں، لیکن یہ نثرپارے جو عربی، سنسکرت یا فارسی زبان میں موجود ہیں باقاعدہ انشایئے نہیں ہیں۔ نثرپارے میں انشائیہ کی کسی ایک خصوصیت کی بنا پر اس نثرپارے کو انشائیہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔۔ انشائیہ ادب میں بطور صنف متعارف ہوا، تب محققین نے ان نثرپاروں میں انشائیہ کے نقوش تلاش کیے۔ ادب میں جب کوئی نئی صنف ارتقائی مراحل طے کرتی ہے، اس صنف کے اصولِ فن وضع کیے جاتے ہیں۔ محققین بعد میں اس کی ابتدائے آفرینش اور آغاز کے کھوج لگانے میں لگ جاتے ہیں۔ قدیم سے قدیم ترین تحریروں میں اس صنف کے ابتدائی

نمونے تلاش کیے جاتے ہیں اور تحقیق کا یہ عمل رکتا نہیں ہے۔ اردو ادب میں انشائیہ وارد ہوا تو اس کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ اردو ادب میں انشائیہ پر تحقیق کرنے والے بعض محققین اس تحقیق کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ انشائیہ انگریزی سے اردو میں آیا۔ ان کا موقف ہے، کہ جس زمانے میں مغربی ادیب مونتین اور فرانسس بیکن انشائیہ کی تخلیق میں مصروف تھے، عین اسی زمانے میں مشرقی ادیب ملا وجہی نثر میں "سب رس" تخلیق کر کے ادب میں بیش قیمت اضافہ کر چکے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب میں انشائیہ نگاری کا دور ایک ہی ہے۔ انشائیہ کے محقق و نقاد ڈاکٹر وشِشٹ نے بھی ملا وجہی کی نثری تخلیق پر انھیں اردو کا پہلا انشائیہ نگار قرار دیا ہے۔ ان کے بقول:

> "دکن اور دربار گولکنڈہ کے ملک الشعرا، اس زمانے کے قد آور نثر نگار ملا وجہی تھے۔ قطب شاہی دور میں دربار سے وابستہ تھا۔ چار بادشاہوں ابراہیم قطب شاہ، محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ اور عبد اللہ قطب شاہ کا زمانہ شہنشاہی اس نے دیکھا۔ دکنی ادب کی پہلی نثری تخلیق 'سب رس' اس نے فرمانروا عبد اللہ قطب شاہ کی فرمائش پر ۱۶۳۵ء میں پیش کیا یہ کتاب اردو انشائیہ کا منبع ہے۔"(۲)

ملا وجہی کی قدیم تخلیقی نثر کے زمانے سے جدید نثر تک انشائیہ بطور صنف باقاعدہ متعارف نہیں ہوا، نہ ہی انشائیہ کے فنی خط و خال منظر عام پر آئے، بلکہ انشائیہ کا نام اس دور تک کسی صنف کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ اردو ادب میں انشائیہ کا نام ملا وجہی کی نثری تخلیق کے تین سو سال بعد منظر عام پر آیا۔ انشائیہ جس دور میں بطور نثری صنفِ ادب متعارف ہوا، وہ ۱۹۶۰ء کے بعد کا زمانہ ہے۔ اس کے بعد انشائیہ کے ناقدین نے اس کے فن وضع کرنے کی طرف توجہ دی۔ احمد جمال پاشا کے خیال میں اس صنف کے لیے اصطلاح "انشائیہ" ڈاکٹر وزیر آغا کی اختراع ہے، انھوں نے ہی اس صنف کا فن وضع کیا۔ بہترین انشائیے تخلیق کیے اور اس صنف کو کمال تک پہنچانے میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا۔ بقول ان کے:

> "انگریزی ادب میں لائٹ ایسّے (Light Essay) کے لیے لفظ انشائیہ کو سب سے پہلے وزیر آغا نے استعمال کیا، اس کو عمل میں لایا۔ اعلیٰ پائے کے انشائیے سپرد قلم کیے۔ انشائیہ کو الگ صنف نثر اور تحریک کی شکل میں پیش کیا۔"(۳)

اردو انشائیہ کے ایک اور مایہ ناز نقاد اور محقق ڈاکٹر انور سدید نے بھی احمد جمال پاشا کے اس خیال کے ساتھ اتفاق کیا ہے کہ اردو انشائیہ کے موجد ڈاکٹر وزیر آغا ہیں۔ انشائیہ کے فنی اصول وضع کرنے میں بھی انھی کا نام پہلے آتا ہے۔ انشائیہ کا انگریزی نام Light Essay ہے۔ اس کو Personal Essay اور Literary Essay کے ناموں سے بھی پکارا گیا۔ اس صنف ادب کا فرانسیسی نام Essai تھا، انگریزی ادب میں Essay کے نام سے مشہور ہوا۔ انگریزی ادب

میں اس صنف ادب کو بے حد پذیرائی ملی اور ادیبوں نے جب اس صنف ادب پر بھر پور توجہ دی، تو علمی اور سنجیدہ بلکہ ہر نوع کی تحریروں کو Essay کا نام دیا گیا۔ یوں اس صنف ادب کی اصل شکل بگڑنے لگی جس کا آغاز مونتین نے کیا تھا۔ تب ناقدین نے انشائیہ کے لیے Light Essay کی اصطلاح وضع کی۔ انشائیہ انگریزی ادب کی وساطت سے اردو ادب میں آیا۔ اردو ادب میں ڈاکٹر وزیر آغا ہی وہ ادیب ہیں جنھوں نے اس صنف ادب پر خصوصی توجہ دی۔ جہاں تک محققین کی یہ رائے ہے کہ انشائیہ اردو ادب میں انگریزی ادب سے آیا؛ جاوید وششٹ صاحب اختلاف کرتے ہیں ۔ ان کے مطابق:

> ” تاریخی لحاظ سے اردو انشائیے کے ساتھ ناانصافی یہ ہوئی کہ مشرقی محققوں اور نقادوں نے جان بوجھ کریا انجانے میں انگریزی ایسّے (Essay) کو اردو انشائیہ کا سرچشمہ قرار دیا۔ انھوں نے اردو انشائیہ کو نظر انداز کیا۔ اس وجہ سے ایک گمراہ کن اور غلط روایت یہ بن گئی کہ انگریزی ایسےّ Essay جو فرانسیسی لفظ Essai سے اخذ کیا گیا ہے، جس کے معنٰی کوشش کے ہیں، اسی سے اردو میں انشائیہ کا آغاز ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی اردو انشائیہ کا ذکر ہوتا ہے تو مرتبین انگریزی ایسے کے پس منظر میں ہی اردو انشائیے کا ذکر کرتے ہیں۔“(۴)

اردو ادبی تاریخ اور عالمی ادبی تاریخ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مغربی ادیب مونتینؔ اور بیکنؔ جس زمانے میں مغرب میں انشائیے لکھ رہے تھے اس دور میں مشرقی ادیب وجہیؔ برصغیر میں تخلیقی نثر کی کاوشوں میں مشغول تھا۔ انگریزی ایسّے اور اردو انشائیہ میں فنی اور فکری مماثلت کی بنیاد پر حتمی رائے نہیں دی جاسکتی کہ انشائیہ انگریزی ادب سے درآمد شدہ ہے، اس لیے کہ مشرق و مغرب میں اس صنف کی ابتداء ایک ہی دور میں ہوئی ہے۔ مونتین اور بیکن کی تخلیقات کا ملا وجہیؔ کو علم نہیں تھا اور نہ مغربی ادیب مشرقی انشائیوں کے حوالے سے آگہی رکھتے تھے۔ لیکن مشرقی محققین کا ایک گروہ جن میں سید صفی مرتضیؔ، ڈاکٹر وحید قریشیؔ، ڈاکٹر آدم شیخؔ اور ڈاکٹر ظہیر الدین مدنیؔ شامل ہیں۔ یہ مصنفین اردو میں انشائیہ کو انگریزی ادب سے درآمد شدہ صنف نثر مانتے ہیں۔ ان میں ظہیر الدین مدنیؔ نے اپنی رائے کچھ اس طرح دی ہے:

> ”ایسے (Essay) صنفِ نثر اہل فرانس کی ذہنی و فکری اپج ہے جو انگریزی ادبیات میں فرانسیسی ادب ہی سے منتقل ہوئی ہے۔ فرنچ ادب کا ایسائی Essai انگریزی میں ایسےّ Essay کی شکل میں نمو پا گیا۔ لغت میں اس کا معنی کوشش ہے۔ فرانسیسی ادبیات میں اس کے حوالے سے واقعہ بڑا دل چسپ ہے۔ ایک فرانسیسی ادیب جس کا نام مونتین ہے، ۱۵۷۱ء میں اس نے جب اپنے بڑھاپے کی وجہ سے دنیا کی دوڑ دھوپ سے کنارہ کشی اختیار کی، تو اس نے اپنی فراغت کا مصرف یہ سوچا کہ اپنے تجربات اور مشاہدات کو اپنی عقل، سمجھ اور ذات کے دائرے میں مختلف عنوانوں کے تحت جمع کرنا شروع کیا۔ یہ تحریریں بے ربط اور بے ترتیب نثر پارے ہیں۔ اس ذہنی آزمائش کو اس نے کوشش یعنی فرانسیسی لفظ Essai کا نام دیا۔ ان تحریروں میں کوئی علمی یا ادبی نظریہ نہیں ہے نہ کوئی دعویٰ ہے۔ یہ باقاعدہ اور منظم انداز میں مرتب مضامین بھی نہیں ہیں۔ مونتین نے ان ادب پاروں

> میں مختلف اور متنوع موضوعات پر ہلکے فلسفیانہ اور بے تکلف انداز میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ان تحریروں میں اخلاقی درس کسی صورت میں ضرور ملتا ہے۔ان تحریروں میں بیان کی بے ساختگی اس کی بنیادی خوبی ہے۔یہ تحریریں Essays جب منظر عام پر آئیں، تو اہل ذوق نے استحسان کی نظر سے دیکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ادیب مونتین کے قلم سے اتفاقاً ایسے Essay کی اختراع ہوئی، یہ اتفاقی ایجاد آگے چل کر ایک اہم نثری صنف قرار پائی۔"(۵)

مونتین کی یہ تخلیقات جب فرانس سے انگلستان پہنچے تو انگریزی ادیب فرانسس بیکنؔ نے اسی طرز بیان اور اسلوب کو اپناتے ہوئے انگریزی زبان میں ۵۸ ایسیز (Essays) لکھے۔ بیکن کی یہ تخلیقات انگریزی ادب میں نیا باب تھا۔ان کی تحریریں بے حد مقبول ہوئیں، بیکن کے بعد آنے والے مصنفوں نے اس صنف میں بطور خاص طبع آزمائی کی اور انگریزی ادب میں Essay لکھنے والے ادیبوں کی بڑی تعداد نے Essays تحریر کیے۔جب انگلینڈ میں ٹیٹلر اور سپیکٹیٹر کا اجرا ہوا تو انگریزی Essay کو اشاعت کا نیا ذریعہ میسر ہوا، جس سے اس کو مزید مقبولیت ملی۔ناول کے ورود تک طویل عرصہ Essay کا چرچا رہا۔انگریزی ادب میں ناول آنے سے مصنفین نے نئی صنف ادب ناول کی طرف توجہ ضرور کی لیکن Essay کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔ عالمی ادب میں انشائیہ کے بانی مونتین اور انگریزی ادب میں بیکن بلا چوں وچرا تسلیم کیے جاتے ہیں، لیکن وحید قریشی صاحب نے اس صنف کے ابتدائی نقوش مونتین کے زمانے سے قبل ادوار میں بھی تلاش کیے ہیں بلکہ ان کی تحقیق تو روئے زمین پر اولین انسان تک جاتی ہے۔ پہلے انسان حضرت آدمؑ تھے اور وحید قریشی نے انھی کو انشائیہ کے بنیاد رکھنے والے موجد قرار دیا ہے۔ان کا بیان ہے اس حوالے سے یوں ہے:

> "دنیا کے سب سے قدیم انشائی ادب کی تخلیق حضرت آدمؑ نے کی تھی۔اس کی تخلیق اس نے حضرت حواؑ سے اظہارِ محبت کرتے ہوئے کی تھی۔وہ زمانہ تھا اور آج کا دور ہے کہ روئے زمین پر انسانوں کے ذہن کا یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ہر لمحے یہ انسان انشائی ادب تخلیق کر رہے ہیں۔"(۶)

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کے مطابق آدمؑ نے اظہارِ محبت کے بعد دوسرا انشائی ادب پارہ بھی تخلیق کیا۔اس تخلیق کے لیے وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب قابیل نے ہابیل کو جو اس کا بھائی تھا، مار ڈالا تو اس واقعے سے حضرت آدمؑ کے دل کو شدید صدمہ پہنچا اور اس پر شدید غم کا اثر پڑا۔اپنے غم کا بیان انھوں نے نظم یا پھر نثر کے انداز میں اس طریقے سے کیا کہ ان الفاظ میں حضرت آدمؑ کی شخصیت نظر آتی ہے۔ یہ کرب ان کا ذاتی تھا۔پدرانہ محبت اور شفقت سے معمور وہ انسان جس کا جوان بیٹا مر جائے، اس کا دکھ تو بیان کے قابل نہیں ہوتا۔یہ تو والد ہی محسوس کرتا ہے۔وحید قریشی انشائیہ کی اصطلاح کے حوالے سے بھی واضح موقف کے ساتھ سامنے نہیں آتے، وہ تذبذب کے شکار نظر آتے ہیں۔وہ ایک مبہم اور غیر واضح سی بات کرتے ہیں کہ لفظ انشائیہ کا استعمال سب سے پہلے غالباً مہدی حسن نے کیا۔ اگر چہ تحقیق میں اس طرح کی غیر واضح توضیح نہیں

ہو سکتی۔انشائیہ کی ابتدا اور اردو میں اس کے ورود پر وحید قریشی کا موقف بھی یہ ہے کہ انشائیہ اردو ادب میں انگریزی ادب سے وارد ہوا۔ وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ”علمی اور سائنسی لحاظ سے مشہور دہلی کالج کے ارباب اختیار نے نصابی ضرورت کے پیش نظر اور انگریزی زبان کے زیر اثر جامع اور سادہ طرز تحریر کی طرف مصنفین کی توجہ مبذول کرائی۔اس اثر کے تحت ایسےؔ Essay کو اردو زبان میں جگہ دی۔اس دور میں ذاتی ایسےؔ یعنی Personal Essay اور عام سنجیدہ مقالہ نگاری کے درمیان فرق نہیں برتا جاتا تھا۔اس کے تحت انشائیہ یا انشائی نثر کا نام دے کر مضامین بھی ضابطہ تحریر میں لائے جارہے تھے۔دبستانِ سرسید کی زیر نگرانی ہر قسم کے مقالات اور انشائیہ کو ایک ہی صنف گردانا گیا۔انشائیہ کو کالج کے عظیم اساتذہ مولوی ذکاء اللہ اور ماسٹر رام چندر کالج کی چیز سمجھتے تھے۔یہ دونوں اساتذہ انشائیہ یعنی Essay کے تحت امتحان کے مضامین تصنیف کر رہے تھے جو نصاب کا حصہ تھا۔ادباء اور نثر نگار جن میں سرسید، ڈپٹی نذیر احمد، محمد حسین آزاد، حالیؔ، شبلیؔ، عبدالحلیم شررؔ اور وحید الدین سلیمؔ شامل ہیں۔یہ تمام انشائیہ اور مقالہ کو مضمون سمجھتے تھے اور ان کے ہاں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔یہی وجہ ہے کہ اردو کے ان نامی گرامی ادیبوں کے ہاں مقالہ جات اور انشائیے کثیر تعداد میں موجود ہیں“(۷)

اس تحقیق سے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر انشائیہ انگریزی ادب سے اردو میں وارد ہوا تو پھر اردو ادب میں مقالہ، مضمون اور انشائیہ میں فن کے لحاظ سے فرق ہوتا جو ابتدا میں نہیں برتا گیا۔اردو میں انشائیہ کا آغاز ہونے سے پہلے اس کا فن تو انگریزی ادب میں واضح تھا اور تواتر کے ساتھ Essays تخلیق ہو رہے تھے۔بغیر واضح اور وضع شدہ فن کے انشائیہ اردو ادب میں کیسے وارد ہوا؟ کہ چوٹی کے ادیب بھی مقالہ، مضمون اور انشائیہ میں فرق نہ کر سکے۔ماسٹر رام چندر کا تعلق دلی کالج سے تھا جہاں زیادہ تر سائنسی مضامین پڑھائے جاتے تھے۔سائنس کی کتابوں کے تراجم اردو میں ہو رہے تھے تاکہ ہندوستانی طلبہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کے بجائے براہ راست مفہوم اخذ کر سکے۔سائنس میں چونکہ ادبی انداز اپنایا نہیں جاتا۔اس کے لیے سادہ، آسان اور عام فہم زبان کی ضرورت ہوتی ہے۔لہٰذا سائنسی تحریر کو ادبی تحریر کے ساتھ جڑنا مناسب نہیں لگتا۔قدیر زمان نے اپنی تحقیق میں کئی ادیبوں کے نام گنوائے ہیں جنھیں اردو کا پہلا انشائیہ نگار قرار دیا گیا۔نیاز فتح پوری کو بعض محققین اردو کا اولین انشائیہ نگار قرار دیتے ہیں، تو کوئی مہدی حسن کے نام پر اتفاق کرتا ہے۔محمد حسنین اردو کے ممتاز انشاء پرداز حسین آزادؔ کی تصنیف: ”نیرنگ خیال“ کی تحریریں اولین انشائیے قرار دیے ہیں۔انشائیہ کے نقاد ہوں یا پھر انشائیہ نگار، سب کی رائیں اس حوالے سے مختلف ہیں۔قدیر زمان کی رائے:

> ”سولھویں صدی عیسوی کا ایک فرانسیسی ادیب مونتین ہی انشائیہ کا پہلا موجد ہے۔اس زمانے میں شہنشاہ اکبر کے نورتن میں سے ایک جن کا نام ابوالفضل ہے، ان کو دیگر پر یہ فوقیت دی جاتی ہے کہ بادشاہ کی طرف سے جو خطوط ابوالفضل نے لکھے اور اپنی ان یادداشتوں کو سمیٹا تو ان تحریروں کو ’انشائے ابوالفضل‘ کے نام سے

موسوم کیا گیا۔ یہ تحریریں فارسی زبان میں تھیں۔ مونتین ۱۵۵۳ءکو پیدا ہوئے۔ ابوالفضل کی عمر مونتین سے دو سال زیادہ ہے۔ اردو کے پہلے انشاء پرداز کون ہیں؟ اس حوالے سے ادیبوں کے مابین اختلاف ہے۔"(۸)

اردو ادب کے پہلے انشائیہ نگار کون ہیں؟ اس سوال کے جواب پر اب تک ناقدین انشائیہ اور انشائیہ نگاروں کے مابین اختلاف موجود ہے۔ قدیر زمان بھی اپنی تحقیق میں اس حوالے سے کوئی حتمی رائے نہ دے سکے۔ محققین انشائیہ نے ملا وجہیؔ کے بعد سرسید احمد خان کی تحریروں میں انشائیہ کے بعض اوصاف کی نشاندہی کی۔ سرسید کے جو مضامین اس دور کے معروف رسالے(تہذیب الاخلاق)میں شائع ہوئے، وہ انھوں نے مغربی ایسے نگاروں کی تحریریں پڑھنے کے بعد لکھے تھے۔ ان کی تحریروں پر مغربی ایسے نگاروں کا واضح چھاپ موجود ہے۔ سرسید کے مضامین نے اردو نثر کو ایک نئی جہت سے روشناس کیا۔ سرسید سے پہلے اردو نثر مقفیٰ و مسجع فقروں اور مافوق الفطرت عناصر پر مبنی داستانوں کے سحر میں جکڑی ہوئی تھی۔ ان کی تحریروں پر مغربی ایسے نگاروں کا اثر ضرور تھا لیکن سرسید باقاعدہ انشائیہ نگار نہیں تھے۔ ان کے مضامین مسلمانوں کی اصلاح پر مبنی تھے۔ اگرچہ ان کی تحریروں میں انشائیہ کے چند اوصاف ضرور نظر آتے ہیں، لیکن چند نقوش کو بنیاد بنا کر سرسید کو انشائیہ کا بانی و موجد نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ انشائیہ نگار و نقاد ڈاکٹر وزیر آغا کی رائے سرسید کی ان تحریروں کے متعلق یہ ہے کہ سرسید کی ان تحریروں میں بلحاظ صنف وہ فنی خصوصیات نہیں ہیں جو انشائیہ میں ہونی چاہئیں۔ ان کی تحریریں صنفی نقطۂ نظر سے دیکھی جائیں تو یہ مضامین ہیں ،لیکن انشائیے نہیں ہوسکتے۔ ان کے مطابق:

"مضامینِ سرسید کے حوالے سے خیال کیا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض تحریریں انشائیہ کی ذیل میں لائے جاسکتے ہیں۔ میری سمجھ میں ایسا درست نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ایک تو سرسید کے تقریباً بیشتر تحریریں سنجیدہ اور اخلاقی نوعیت کی ہیں۔ یہ اوصاف انشائیہ کے نہیں ہوسکتے۔ دوسری وجہ یہ کہ ان تحریروں میں جس انداز بیان کو اپنایا گیا ہے ان میں وہ تازگی اور شگفتگی نہیں ہے جس پر انشائیہ کی بنیاد ہے۔ تیسری وجہ ان تحریروں یعنی ان کے مضامین میں ان کی اذات نظر نہیں آتی۔ سرسید نے ان تحریروں میں اپنی ذات کے کسی پوشیدہ پہلو کو نمایاں نہیں کیا۔ انھوں نے خارجی زندگی کے واقعات اور مسائل کو عام طور پر اجاگر کیا ہے۔ سوان تحریروں کو ہم مضامین تو کہہ سکتے ہیں، انشائیہ کے زمرے میں شامل نہیں کرسکتے۔"(۹)

سرسید احمد نے جو اصلاحی اور سبق آموز مضامین لکھے وہ مغربی ایسے نگاروں کے زیر اثر ان کی طرز پر لکھے وہ اردو نثر میں نئی اختراع تھی۔ انھوں نے نثر کو آسان، سادہ اور عام فہم بنا دیا۔ انشائیہ کے فن کو مدنظر رکھا جائے تو وہ فنی خصائص ان میں نہیں ہیں جو انشائیہ کو مضمون سے الگ کرتے ہیں۔ البتہ ان کی تحریروں میں بعض جگہوں پر انشائیہ کے نقوش ضرور ملتے ہیں۔ ان مضامین میں بعض انشائی کیفیات کی بنیاد پر انھیں انشائیے قرار نہیں دیے جاسکتے۔ اردو ادب کے نقاد ڈاکٹر انور سدید بھی وزیر آغا کے اس دعوے سے متفق نظر آتے ہیں۔ ان کا موقف بھی یہ ہے کہ اردو

نثر کے آغاز ہی سے تمام ادیبوں کی تحریروں میں انشائیہ کے اوصاف تلاش کیے جائیں تو پھر سر سید ہی پر کیا موقوف ان سے پہلے ادیبوں کے ہاں بھی انشائیہ کے نقوش کسی نہ کسی صورت میں ملتے ہیں۔ ان کا بیان کچھ اس طرح ہے:

”راقم کے بشمول بعض احباب ادب و فن ڈاکٹر وزیر آغا کے ساتھ پہلا انشائیہ منسوب کرتے ہیں۔ بعض احباب سر سید کو اولین انشائیہ نگار تسلیم کرتے ہیں۔ یہ واضح ہے کہ مضامینِ سر سید کے چند نمونوں میں انشائی اوصاف ملتے ہیں جو کلی طور پر انشائیے نہیں ہیں۔ یوں تو انشائیہ کے کل میں سے چند اوصاف بعض انشائی ناقدین نے میر امن کی 'باغ و بہار' اور 'غالبؔ کے خطوط' میں بھی ڈھونڈ رکھے ہیں۔ مغربی ادبا میں بنسنؔ مونتین کو اولین انشائیہ نگار تسلیم تو کرتے ہیں، لیکن خود بنسنؔ بھی سائی سیر و اور افلاطون کے ہاں اس کے بنیادی نقوش پا لیتے ہیں۔ جیپسنؔ کی رائے میں اس کے نقوش ان تحریروں میں بھی موجود ہیں جن کا تعلق چین ایران اور کے قدیم ادوار سے ہے۔ اس کا کھوج لگانے کے لیے آپ جتنا ماضی میں جائیں گے، انشائیہ کے نقوش آپ پر مزید آشکار ہوتے رہیں گے۔ اس طرح اس نقطہ آغاز کی تلاش جہاں پہلے انشائیہ نے جنم لیا تھا شاید ممکن ہی نہ ہو۔“(۱۰)

انشائیہ کا فن باقاعدہ طور پر ڈاکٹر وزیر آغا نے وضع کیا، اسی بنا پر انور سدید انھیں انشائیہ کا بانی قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا سے پہلے اردو ادب میں انشائیہ فنی اصولوں کے ساتھ رواج پذیر نہیں تھا۔ محققین نے خطوط غالب میں بھی انشائیہ کے نقوش تلاش کرنے کی کوشش کی۔ غالبؔ سے پہلے بھی کثیر تعداد میں ادیبوں کے خطوط موجود ہیں۔ ان کی حیثیت ادبی خطوط کی ہے انشائیہ کی نہیں۔ اسی طرح نثری تخلیقات اور دیگر تحریریں ان سے قبل زمانوں میں بھی زیب قرطاس کی جاتی تھیں، لیکن غالبؔ اور ان کے بعد سر سید نے اپنی تخلیقات کے لیے منفرد اسلوب اختیار کیا۔ ان کا طرزِ بیان اگلے نثر نگاروں سے یکسر مختلف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں، خطوط اور دیگر مضامین منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ نقادوں نے خصوصیاتِ انشائیہ کی تلاش میں صرف سر سید کے مضامین اور خطوط غالب تک سفر نہیں کیا۔ مولانا حسین آزادؔ کے منفرد اسلوب اور طرز تحریر کی بنیاد پر محققین نے ان کی تحریروں میں بھی اوصافِ انشائیہ تلاش کرنے کی سعی کی۔ محققین اور ناقدین نے ان کی بعض تحریروں کو انشائیہ قرار دیا۔ ان تمام تحقیقات کے بعد بھی پہلا انشائیہ اور بانی انشائیہ کا مسئلہ بہر صورت موجود رہا۔ تحقیق کے مطابق کسی صنف ادب کے بانی و موجد ہونے کا سہرا اس ادیب کے سر جاتا ہے جو اس صنف کے لیے باقاعدہ فنی اصول وضع کرے جو اس صنف ادب کو دوسرے ادبی اصناف سے منفرد بنا دے۔ اسے کسی اور صنف ادب کے ساتھ اس قدر قریب نہ رکھے کہ ان میں کوئی حد فاصل نہ ہو اور جس میں ابہام کا شبہ پیدا ہو۔ انور سدید رقم طراز ہیں:

”میں اردو انشائیے کا بنیاد رکھنے والا وزیر آغا کو تسلیم کرتا ہوں۔ وجوہات میں بنیادی وجہ تو یہ ہے اس صنف کا بنیادی فن انھوں نے ہی تشکیل دیا ہے، اس صنف کے لوازمات مقرر کیے۔ پھر ان فنی اصولوں کے مطابق خود ہی انشائیہ پر اپنی ذہانت آزمائی۔ دوسرا پہلو یہ کہ پرسنل ایسےؔ Personal Essay کے حوالے سے انھوں نے جس فن کو رائج کیا اسی فن پر ایک پوری جماعت انشائیہ نگاروں کی ان کے زیر نگرانی کام کرنے لگا۔ تقریباً ۱۹۵۸ء میں ڈاکٹر وزیر آغا اس اسلوب کو برتنے والے صرف ایک ہی انشائیہ نگار تھے۔ ان کی تقلید میں جمیل

آذر اور مشتاق قمر نے اسی اسلوب میں تخلیق کاری کی۔ بعد ازیں اب تک انھی اصولوں کو بروئے اکار لا کر انشائیہ لکھنے والوں بڑی تعداد سامنے آتی ہے۔"(۱۱)

انشائیہ نگار اور نقاد مشکور حسین یاد ڈاکٹر انور سدید کے اس دعوے کو مسترد کرتے ہیں۔ طنزیہ انداز اپناتے ہوئے ان کا بیان ہے کہ جب سال ۱۹۵۷ء کے ادبی مجلے "ادب لطیف" میں میرا ایک انشائیہ "ناراضی" کے عنوان سے چھپ گیا، تو وزیر آغا نے میری اس تخلیق کو "لطیف پارہ" کہا۔ میری تحریر کو انشائیہ نہیں کہا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تک وزیر آغا نے لفظ انشائیہ کا استعمال کسی صنف ادب کے لیے نہیں کیا تھا۔ نہ ہی یہ اصطلاح موجود تھی۔ ان کے اس موقف سے بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مشکور حسین بھی ان دعویداروں کے صف اول میں کھڑے نظر آتے ہیں جنھوں نے اس صنف ادب کے لیے سب سے پہلے انشائیہ کا لفظ استعمال کیا اور ادبی تاریخ میں بانیٔ انشائیہ ہونے کے مستحق بھی قرار پائے:

> "میں اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہوں کہ ۵۹۔۱۹۵۸ء کے بعد انشائیہ نگاری کو باقاعدہ تحریک کی صورت میں وزیر آغا نے فروغ دیا۔ انشائیہ نگاری خود بھی کرتے رہے اور مصنفین کو انشائیہ لکھنے کی ترغیب بھی دی۔ انشائیہ کے فن اور اصول ادبی جریدہ 'اوراق' میں وقتاً فوقتاً واضح کرتے بھی رہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب انشائیہ کی اصطلاح سے قبل ایسّے کو 'لطیف پارہ' کے نام سے پکارتے تھے۔ البتہ میں نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ میں نے یا تو ایسّے کہا یا مضمون کے نام سے یاد کیا۔ یہ غالباً ۱۹۴۰ء کا دور تھا جب میں مشرقی پنجاب کے علاقے بھوانی حصار میں تھا، اور نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ ایک شام کو میری ملاقات گوردھن داس سے ہوئی۔ ان کے پاس 'قطرات شبنم' جو ان کی تصنیف تھی، کا ایک نسخہ تھا۔ داس صاحب نے خصوصی طور پر نسخہ مجھے دکھایا۔ ان کی اس تصنیف کا دیباچہ جوش ملیح آبادی نے لکھا تھا۔ میں اس کتاب کی ورق گردانی کرنے لگا تو مصنف سے کہا کہ یہ نثر کی کتاب کم لگتی ہے اور اس میں شاعرانہ انداز زیادہ ہے۔ مصنف گوردھن داس اپنی اس تخلیقی کاوِش کو غالباً 'انشائے لطیف' کہنے زیادہ مصر تھے۔ میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ایسّے کا خیال میرے ذہن میں بہت پہلے سے موجود ہے بلکہ پہلا انشائیہ میں نے ۱۹۳۵ء میں تصنیف کیا تھا۔ اس وقت میں تیسری جماعت کا طالب علم تھا۔"
> (۱۲)

انشائیہ نگار اور محقق ڈاکٹر احمد امتیاز بھی اردو کے پہلے اور باقاعدہ انشائیہ نگار ہونے کا اعزاز سرسید کو دیتے ہیں۔ انشائیہ کو انھوں نے تین منازل میں تقسیم کیا ہے۔ اس تقسیم کے تحت انشائیہ کی پہلی منزل میں سرسید احمد کے مضامین اور انشایئے شامل ہیں۔ ان کے مضامین میں سے بعض ایسے ہیں جن جزوی طور پر میں انشائیہ کی بنیادی خصوصیات دکھائی دیتی ہیں۔ اگر چہ یہ باقاعدہ انشایئے نہیں ہیں۔ ان مضامین میں "امید کی خوشی، بحث و تکرار، سرابِ حیات، کاہلی، خوشامد اور ہمدردی" ایسی تحریریں ہیں جو انھوں نے مغربی Essays کے انداز میں ان سے متاثر ہونے کے بعد لکھے تھے۔ وہ تحریریں جو ٹیٹلر اور اسپیکٹیٹر میں چھپتے تھے۔ اس منزل میں مولانا حسین آزاد بھی افق پر نظر آتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں "گلشن امید کی بہار، انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا، سیر زندگی، سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ،

اور شہرت عام اور بقائے دوام کا دربار" ایسی تحریریں ہیں جو تخیلی و تمثیلی مضامین ہیں۔ رفقائے سرسید میں ایک اہم نام مولانا الطاف حسین حالیؔ کا بھی ہے۔ حالیؔ کی تحریریں "زمانہ" اور "زبانِ گویا" انشائیہ کے بہترین نمونے ہیں۔ اس زمانے میں لکھے گئے مضامین دراصل مغربی Essays کے زیر اثر اسی طرز پر لکھے گئے تھے، لیکن چونکہ انشائیہ کا باقاعدہ فن ابھی اردو ادب میں وضع نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اردو نثر میں مقالہ، مضمون اور انشائیہ الگ الگ اصناف کے طور جانے جاتے تھے۔ اس لیے یہ مضامین انشائیہ کے ذیل میں نہیں لائے جاسکتے۔ انشائیہ کی دوسری منزل میں جن ادیبوں کے ہاں لائٹ ایسّے یعنی انشائیہ کے اوصاف پائے گئے، ان میں عبدالحلیم شرر، مہدی آفادیؔ، سید سجاد انصاری، حسن نظامیؔ، میر ناصر علی، ابولاکلام آزادؔ، رشید احمد صدیقیؔ، پطرس بخاری، کرشن چندر فلک پیا، کنھیالال کپور کے علاوہ ان کے ہم عصر دیگر ادبا شامل ہیں۔ شررؔ کی تخلیقات میں "برسات، پھول، کھلتا ہوا پتا اور بزم قدرت" پر مبنی تحریریں شامل ہیں۔ شرر کی ان تحریروں میں انشائیہ کی چند خصوصیات جابجا نظر آتی ہیں۔ سجاد انصاری کی تخلیق "محاسن ومعاصی" مہدی آفادی کی تحریر "خواب طفلی، آرزوئے شباب" میر ناصر علی کی نثری تخلیقات "ہم اور ہماری ہستی اور زندگی کی شام" میں انشائیہ کے چند اوصاف موجود ہیں۔ عبدالماجد دریاآبادی کی تخلیق "جھوٹ میں سچ" حسن نظامیؔ کی "دیاسلائی، جھینگر کا جنازہ اور الو" جیسی تخلیقات میں انشائیہ کی بعض خصوصیات موجود ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگؔ، رشید احمد صدیقیؔ اور پطرس بخاری کے ہاں بھی بعض جگھوں پر اانشائیہ کی خصوصیات نظر آتی ہیں۔ فرحت کی تخلیقات میں "ایک اور ایک چار، اونہہ" مزاح نگاری میں رشید احمد صدیقی کے ہاں ان کے بعض نثر پاروں مثلاً "ارہر کا کھیت چارپائی اور" ابولاکلام آزادؔ کی منفرد اور شاعرانہ نثر "جنگ کا اثر اخلاق پر" پطرس کی نثری گلکاریوں مثلاً "سویرے جو کل آنکھ میری کھلی، سنیما کا عشق اور کتے" میں بھی انشائیہ کے نقوش ملتے ہیں۔ عبدالعزیز فلک پیا کی انشاء پردازی جن میں "کچھ جھوٹ کچھ سچ اور گنوار کی دعا"۔ کرشن چندر کی "رونا اور عسلیات" کنھیا لال کپور کی تخلیقات "اخبار بنی اور اپنے وطن میں سب کچھ ہے"۔ اس طرح علی اکبر قاصد کی نثری کاوشیں "چھینک اور موٹر سائیکل"۔ ان ادب پاروں میں انشائیہ کے بعض نقوش نظر آتے ہیں۔ سرسید کے بعد منفرد نثر نگار حسن نظامیؔ اور یلدرمؔ کی نثری تخلیقات کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کا خیال ہے کہ ان مصنفین میں انشائیہ لکھنے کی صلاحیت موجود تھی۔ لیکن انھوں نے انشائیے تخلیق نہیں کیے۔ ان کی تحریریں انشائیہ نہیں کہلائے جاسکتے۔ کلی طور پر ان میں خصوصیاتِ انشائیہ موجود نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "انشائیہ کے حوالے سے سرسید کے بعد سجاد حیدر یلدرم اور حسن نظامی کے نام لیے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اہل قلم لکھاری انشائیہ نویسی کی صلاحیت رکھتے تھے۔ باوجود اس کے یہ ادیب انشائیہ کا صحیح نمونہ پیش کرنے میں ناکام رہے۔ یلدرم کے مضمون (مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ) ایک نمونہ ہے لیکن یہ ماخوذ ہے طبع زاد نہیں۔ یلدرمؔ کے بعض مضامین میں انشائیہ کی بعض خصوصیات ضرور ملتی ہیں۔ مگر ان تمام مضامین میں ایک بھی بطور انشائیہ پیش کرنے کے لیے موزون نہیں ہے۔ حسن نظامی کے ہاں بھی انشائیے کا بھرپور رجان نظر آتا ہے۔ وہ عام زندگی سے ایسے موضوعات اٹھاتے ہیں جو گرے پڑے اور غیر اہم تصور کیے جاتے ہیں۔

جیسے 'مچھر' ایک عام سا موضوع ہے، لیکن انشائیہ کی بنیادی دو خصوصیات ان کے ہاں نہیں ہیں۔ پہلے تو ان تحریروں کا لب و لہجہ انشائیہ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ ثانوی خصوصیتِ انشائیہ مصنف کی اپنی ذات یا شخصیت کی کوئی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ چنانچہ یہ مضامین تو ہو سکتے ہیں لیکن انھیں انشائیہ کے زمرے میں شمار نہیں کیا جا سکتے۔"(۱۳)

انشائیہ نگار، نقاد اور محقق ڈاکٹر وزیر آغا نے ان تحریروں میں جن فنی لوازمات کے نہ ہونے کا ذکر کیا ہے وہ انشائیہ کے بنیادی لوازمات ہیں۔ ان میں انکشاف ذات اور لہجے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ انشائیہ نگار جس موضوع پر لکھتا ہے اس میں اس کی ذات جھلکتی ہے، وہ خارجی طور پر نہیں بلکہ داخلی طور پر اپنی زندگی کے تجربات، مشاہدات اور احساسات کا اظہار منفرد لہجے کے ساتھ کرتا ہے۔ لیکن مصنف جب موضوع داخلیت سے ہٹ کر پر خارجی امور پر طبع آزمائی کرے، تو ایک خاص ترتیب، ربط اور سنجیدگی لانی پڑتی ہے۔ جب وہ ذاتی حدود میں انفرادی سطح پر موضوع جانچتا ہے تو اس میں بے تکلفی کی خصوصیت بھی ہوتی ہے۔ اس طرح انشائیے کے لہجے میں شگفتگی اور تازگی کا ہونا لازمی ہے۔ مظاہر کو سیدھے سادے نہیں بلکہ نئے اور انوکھے زاویہ نظر سے دیکھنا اور قاری کے سامنے نیا اور انوکھا پہلو رکھنا انشائیہ کا بنیادی وصف ہے۔ انشائیہ میں سنجیدہ مضمون سے ہٹ کر ہلکے پھلکے پیرائے میں موضوع پر بات سے بات نکالتے ہوئے اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ جبکہ ان تمام تحریروں میں یہ خصوصیات نہیں ہیں۔ وزیر آغا کا موقف مضامینِ فرحت کے حوالے سے یہ ہے کہ ان کی تخلیقات میں لہجے کی تازگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ پر بنیادی جزو انکشاف ذات یہاں پر بھی نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے:

"فرحت اللہ بیگ کی تحریروں میں انشائیہ کے کئی بنیادی اوصاف پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اندازِ تحریر شگفتہ ہو اور مصنف کا موضوع سے گہرا تعلق بھی ہو۔ مگر حقیقت میں فرحت کے نثر پاروں میں باہر کے کردار نمایاں ہوتے ہیں یا پھر دیگر واقعات کا عنصر ان کے بیان پر غالب ہوتا ہے۔ شخصی پہلو کو وہ نظر انداز کرتے ہیں، ان کی تحریروں میں ان کی ذات کے بجائے خارجی سطح زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ 'نذیر احمد کی کہانی' اور 'پھول والوں کی سیر' اردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہنے والی تخلیقات ہیں، لیکن ان کو بطور انشائیہ پیش کرنا بے حد مشکل ہے۔"(۱۴)

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں انشائیہ کی بوطیقا اور اس کے فنی ضوابط قائم کرنے کا سہرا ڈاکٹر وزیر آغا کے سر ہے۔ اردو ادب میں اس سے پہلے انشائی تحریریں اور انشائی ادب پارے پائے جاتے ہیں، لیکن بطور ادبی صنف انشائیہ کے فنی اصول اور حدود وضع نہیں تھے۔ وہ فنی اصول جن کا اطلاق ادب پارے پر کر کے یہ رائے دی جا سکے کہ یہ فن پارہ انشائیہ کے اصولوں پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔ کئی ادیبوں اور نقادوں نے ان وضع کردہ فنی اصولوں کی مخالفت کی اور مخالفت میں مضامین بھی لکھے۔ ان ادیبوں اور نقادوں میں شاعر، صحافی اور نثر نگار احمد ندیم قاسمی، نقاد سلیم اختر، انشائیہ نگار مشکور حسین یاد اور طاہر تونسوی جیسے ناقدین انشائیہ شامل ہیں۔ ایک پوری جماعت اس کی حمایت میں ڈٹی رہی۔ اس گروہ کے ارکان میں نقاد ڈاکٹر انور سدید، انشائیہ نگار غلام جیلانی اصغر اور جمیل آذر جیسے انشائیہ نگار اور نقاد

شامل ہیں۔ مختلف رسائل اور کتب میں انشائیہ کی حمایت اور مخالفت میں مضامین اور تحقیقی مقالہ جات لکھے گئے۔ اس ادبی چپقلش میں ان گروہوں کے درمیان بعض اوقات بات بہت آگے بھی بڑھی۔ ذات پر تحریری حملے بھی ہوئے لیکن اس تحریری جنگ کا فائدہ اردو انشائیہ کو بالخصوص اور اردو ادب کو بالعموم ضرور ہوا۔ انشائیہ کے فنی اصولوں میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ اردو انشائیہ کو بین الاقوامی سطح پر شہرت و پذیرائی ملی اور انشائیہ میں قلم آزمائی کرنے والوں کی ایک کثیر تعداد سامنے آئی۔

حوالہ جات:

۱. رفیعہ شبنم عابدی، ڈاکٹر، ”ملا وجہی اور انشائیہ“ حسن پبلی کیشن بارہ امام روڈ، بمبئی ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۴
۲. جاوید وششٹ، ڈاکٹر، ”انشائیہ پچیسی“ وجیتا آفیسٹ پرنٹرس نئی دلی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۴
۳. رفیعہ شبنم عابدی، ڈاکٹر، ”ملا وجہی اور انشائیہ“ حسن پبلی کیشن بارہ امام روڈ، بمبئی ۱۹۸۸ء، ص ۱۱۶
۴. جاوید وششٹ، ڈاکٹر، ”انشائیہ پچیسی“ وجیتا آفیسٹ پرنٹرس نئی دلی، ۱۹۸۵ء، ص ۹
۵. ظہیر الدین مدنی، ڈاکٹر، ”اردو ایسیز“ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنس بلڈنگ نزد جے جے ہسپتال ممبئی نمبر ۳ طبع دوم س ن، ص ۱۴۔۱۵
۶. وحید قریشی، ڈاکٹر، ”اردو کا بہترین انشائی ادب“، حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۱۰
۷. ایضاً، ص ۱۹۔۲۰
۸. قدیر زمان، ”سوئے انشائیہ اور سوانحی انشائیے“، ممتاز کمپیوٹرس شاہ گنج، حیدر آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۱۱
۹. وزیر آغا، ڈاکٹر، ”انشائیہ کے خدوخال“، لبرٹی آرٹ پریس دریا گنج، نئی دلی ۱۹۹۱ء، ص ۱۵
۱۰. انور سدید، ڈاکٹر، ”انشائیہ کے مباحث“، مشمولہ ’انتخاب انشائیہ نمبر‘ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، بار اول ۱۹۸۸ء، کاروان ادب ملتان، ص ۴۸
۱۱. ایضاً، ص ۴۹
۱۲. مشکور حسین یاد، ”اردو انشائیہ کے خد و خال“ مشمولہ ماہنامہ ’فنون‘ احمد ندیم قاسمی شمارہ ۳ نومبر۔ دسمبر ۱۹۷۶ء۔ ۴۷۔ انارکلی، لاہور، ص ۳۶
۱۳. وزیر آغا، ڈاکٹر، ”انشائیہ کے خدوخال“، لبرٹی آرٹ پریس دریا گنج، نئی دلی ۱۹۹۱ء، ص ۱۵
۱۴. ایضاً، ص ۱۵۔۱۶